ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1959

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس :منتخب تفسیری نصوص کا مطالعہ • (1959) 1-سطح :بی ایس علومِ اسلامیہ) تخصص قرآن و تفسیر(

سمسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر) 1 یونٹ نمبر 1 :تا(5

کل نمبر 100 :کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس پڑھیں، مفاہیم کو سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر 1: سورۃ الانعام کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا جس انسان سے ہونا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، نوٹ تحریر کیجئے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کو قوم کے رویے پر جو تسلی دی گئی اس کو بیان کیجئے۔ (نمبر 20)

سوال نمبر1 ۔ سورۃ الانعام کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا جس انسان سے ہونا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ نوٹ تحریر کیجئے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کو قوم کے رویے پر جو تسلی دی گئی اس کو بیان کیجئے۔(20)

تعارف

سورۃ الانعام قرآن مجید کی عظیم مکی سورتوں میں سے ہے جس کا مرکزی موضوع توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات اور شرک و کفر کے دلائل کا رد ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے مختلف پہلوؤں کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔ انہی پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جنس کے اعتبار سے انسان اور بشر تھے، فرشتہ یا کوئی مافوق الفطرت مخلوق نہیں تھے۔ بظاہر یہ بات معمولی معلوم ہوتی ہے، مگر قرآن اسے اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت اور احسان قرار دیتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ دعوتِ حق کی راہ

میں قوم کی طرف سے آپ ﷺ کو تکذیب، استہزا اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بار بار آپ ﷺکو تسلی دی، دل تھامنے کی تلقین فرمائی اور سابقہ انبیا کی مثالیں پیش کر کے صبر و استقامت کا درس دیا۔ اس جواب میں پہلے حصے میں رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے کو احسانِ الٰہی کے طور پر بیان کیا جائے گا اور دوسرے حصے میں ان آیات کا ذکر ہوگا جن میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔

تصور قرآنی :رسول بشر

قرآن مجید کا واضح اور دو ٹوک اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے" :وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ "یعنی ہم رسولوں کو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجتے ہیں) الانعام(48 :۔ اسی سورت میں نبی کریم ﷺ سے کہلوایا گیا" :قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ، اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ "یعنی اے نبی !کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں؛ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف آتی ہے) الانعام(50 :۔ یہ آیت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر تھے، البتہ آپ ﷺ کی فضیلت اور امتیاز وحیِ الٰہی سے وابستگی میں تھا۔ کفارِ مکہ کا ایک پرانا اعتراض یہی تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اور اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ اترا۔ قرآن نے اس اعتراض کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اگر زمین میں فرشتے بس رہے ہوتے تو رسول بھی فرشتہ بھیجا جاتا؛ جب بستی انسانوں کی ہے تو رسول بھی انسان ہی ہوگا تاکہ وہ ان کے لیے قابلِ تقلید نمونہ بن سکے۔

رسول کا بشر ہونا اس لیے بھی ضروری تھا کہ نبوت کا مقصد محض پیغام پہنچانا نہیں بلکہ اس پیغام کو عملی زندگی میں ڈھال کر دکھانا ہے۔ اگر رسول فرشتہ ہوتا تو انسان یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ یہ فرشتے کا عمل ہے، ہم انسان کمزور ہیں، ہم اس کی نقل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عذر کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انسان ہو کر بھوک و پیاس، خوشی و غم، جنگ و امن، گھریلو زندگی اور معاشرتی معاملات سب کا سامنا کیا اور ہر مرحلے پر امت کو عملی اسوہ عطا فرمایا۔ اسی لیے قرآن نے آپ ﷺ کی زندگی کو" اُسْوَۃٌ حَسَنَہ "قرار دیا۔ پس بشر رسول کا

وجود خود انسانیت کے لیے عزت و تکریم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے سب سے بلند منصب کے لیے اسی جنس کو منتخب فرمایا۔

ہے؟ کیوں احسان کا اللہ ہونا رسول بشر

پہلی وجہ یہ ہے کہ بشر رسول انسان کی زبان، اس کے جذبات اور اس کی نفسیات سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ سورۃ الانعام میں فرمایا گیا کہ جب اہلِ ایمان آپ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ انہیں سلام کہیں اور یہ خوشخبری دیں کہ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے) الانعام(54 :۔ یہ لازم و شفیق اندازِ تربیت اسی لیے ممکن ہوا کہ رسول خود انسان تھے اور انسانی دکھ درد کو سمجھتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بشر رسول کی اتباع ہر انسان کے لیے ممکن ہوتی ہے۔ امیر ہو یا غریب، عالم ہو یا ان پڑھ، ہر شخص آپ ﷺ کے اسوہ کو اپنی استطاعت کے مطابق اپنا سکتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ رسول کا بشر ہونا انسان کے لیے باعثِ امید ہے :جب ایک انسان اللہ کی کامل اطاعت کی بلند ترین منزل پا سکتا ہے تو ہر انسان کو یہ حوصلا ملتا ہے کہ وہ بھی کوشش کر کے قربِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کو" انہی میں سے "بھیج کر انسانوں پر اپنا خاص فضل فرمایا۔ سورۃ آلِ عمران میں اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا" :لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ "یعنی یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب اس نے ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا) آل عمران(164 :۔ لفظ" مَنَّ "بتا رہا ہے کہ یہ اللہ کا خصوصی احسان ہے۔ سورۃ الانعام کی روشنی میں بھی یہی اصول واضح ہوتا ہے کہ رسول کا بشر ہونا کوئی کمی یا نقص نہیں بلکہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا اور بندوں پر عظیم احسان ہے، کیونکہ اسی کے ذریعے ہدایت انسان کی زندگی کے ہر شعبے تک عملی صورت میں پہنچی۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ بشر رسول قیامت کے دن انسانوں کے خلاف حجت تمام کرتا ہے؛ کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ہمیں کوئی ہم جنس رہنما نہیں ملا تھا۔ یوں رسول کی بشریت عدلِ الٰہی اور رحمتِ الٰہی دونوں کا مظہر ہے۔

تسلی کو ﷺ اللہ رسول پر رویے کے قوم

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر اپنے نبی ﷺ کو تسلی دی ہے۔ سب سے جامع تسلی آیت نمبر 33 تا 35 میں ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے" :قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ، فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ "یعنی

ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتیں آپ کو غمگین کرتی ہیں، پس حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں) الانعام(33 :۔ یہ کتنی بڑی تسلی ہے کہ اللہ خود گواہی دے رہا ہے کہ تکذیب کا اصل ہدف آپ کی ذات نہیں بلکہ آیاتِ الٰہی ہیں، اور آپ کی صداقت و امانت پر خود آپ کے دشمن بھی کبھی انگلی نہیں اٹھا سکے؛ انہوں نے آپ کو ہمیشہ صادق و امین کہا۔ پھر اگلی آیت میں فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا مگر انہوں نے تکذیب اور اذیت پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی، اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں) الانعام(34 :۔ اس میں دو تسلیاں ہیں :ایک یہ کہ یہ رویہ آپ کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر نبی کو یہ مرحلہ پیش آیا؛ دوسری یہ کہ آخری انجام میں اللہ کی مدد یقینی ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا" :وَلَقَدْ جَآءَکَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ "یعنی رسولوں کی خبریں آپ کے پاس آ چکی ہیں) الانعام(34 :۔ گزشتہ انبیا کے واقعات آپ ﷺ کے لیے نمونہ اور دل کی تقویت تھے۔ آیت 35 میں فرمایا گیا کہ اگر ان لوگوں کا اعراض آپ پر گراں گزرتا ہے تو اگر آپ زمین میں سرنگ یا آسمان پر سیڑھی لگا کر کوئی نشانی لا سکتے ہیں تو لے آئیے، مگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، پس آپ نادانوں میں سے نہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت زبردستی مسلط کرنے کا نام نہیں؛ آپ کا فرض پیغام پہنچانا ہے، نتیجہ اللہ کے سپرد چھوڑ دیجیے۔ اسی طرح آیت 10 میں فرمایا گیا" :وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِؤُنَ "یعنی آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، پھر مذاق اڑانے والوں کو اسی چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ یعنی انجام کار مذاق اڑانے والوں کا خسارہ ہے، آپ کا نہیں۔ مزید یہ کہ سورت کے آغاز ہی میں کفار کے انجام کی خبر دے کر واضح کر دیا گیا کہ مخالفت کی عمر مختصر ہے اور حق کو غلبہ حاصل ہو کر رہے گا۔

اسباق والے ہونے حاصل سے اسلوب کے تسلی

ان آیات سے داعیِ حق کے لیے کئی اسباق حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ دعوت کی راہ میں غم اور دل گرفتگی فطری امر ہے، خود رسول اللہ ﷺ کو بھی قوم کے رویے سے رنج پہنچتا تھا، مگر اس غم نے کبھی آپ کے عزم اور دعوت کے تسلسل کو متاثر نہیں کیا۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ داعی کو اپنی مخالفت کو ذاتی مسئلہ نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ مخالفت دراصل حق کی ہوتی ہے۔ تیسرا سبق صبر کی اہمیت ہے :اللہ نے فوری نتائج کا وعدہ نہیں کیا بلکہ صبر کے بعد مدد کا

وعدہ کیا ہے۔ چوتھا سبق یہ ہے کہ سابقہ انبیا اور صالحین کی سیرت کا مطالعہ دل کو مضبوط کرتا ہے، اسی لیے قرآن نے قصصِ انبیا کو آپ ﷺ کی ثابت قدمی کا ذریعہ قرار دیا۔ پانچواں سبق یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے؛ داعی کا کام بلاغ ہے، جبر نہیں۔ ان اسباق کی روشنی میں آج کے داعی اور طالب علم کو بھی سمجھنا چاہیے کہ مخالفت دعوت کی ناکامی کی دلیل نہیں بلکہ سنتِ انبیا کا حصہ ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ الانعام کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا بشر ہونا حکمتِ الٰہی کا عین تقاضا اور انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، کیونکہ بشر رسول ہی انسان کے لیے قابلِ تقلید اسوہ بن سکتا ہے، اس کے دکھ درد کو سمجھ سکتا ہے اور اس پر حجت تمام کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ کا امتیاز آپ کی بشریت کے باوجود وحی سے متصف ہونا ہے۔ دوسری طرف جب قوم نے آپ ﷺ کو جھٹلایا اور مذاق اڑایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ یہ لوگ دراصل آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں، آپ سے پہلے کے رسولوں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا، انہوں نے صبر کیا اور اللہ کی مدد ان تک پہنچی۔ یہ تسلی آج بھی ہر داعیِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہے کہ وہ مخالفت سے گھبرائے بغیر صبر و استقامت کے ساتھ اپنا فریضہ ادا کرتا رہے، کیونکہ آخری فتح حق ہی کی ہوتی ہے۔

(نمبر 20) تفسیر کی آیات کی التوبہ سورۃ والی نکالنے سے حرم حدودِ کو مشرکین :2 نمبر سوال

سوال نمبر2 ۔ مشرکین کو حدود حرم سے نکالنے والی سورۃ توبہ کی آیات کی تفسیر بیان کیجئے۔(20)

تعارف

سورۃ التوبہ مدنی سورت ہے جو 9 ہجری میں نازل ہوئی۔ اس سورت کے آغاز میں مشرکینِ عرب سے کیے گئے تمام معاہدوں کے خاتمے اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے براءت کا اعلان کیا گیا، اور اسی سورت میں یہ تاریخی حکم بھی نازل ہوا کہ مشرکین کو حدودِ حرم، یعنی مسجدِ حرام اور مکہ مکرمہ کے مقدس علاقے، سے دور رکھا جائے اور وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں۔ یہ حکم محض سیاسی یا انتظامی فیصلہ نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے توحید کی حفاظت، بیت اللہ کی تقدیس اور اسلامی معاشرے کی نظریاتی سرحدوں کا تعین جیسی گہری حکمتیں کارفرما تھیں۔ اس

جواب میں اس حکم کی مرکزی آیت یعنی سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 28 کی تفسیر بیان کی جائے گی اور ساتھ ہی ان آیات کی بھی وضاحت کی جائے گی جو اس حکم سے متعلق ہیں، مثلاً آیات نمبر 1 تا5 ، 17 تا 19 اور دیگر متعلقہ مقامات، تاکہ حکم کا پس منظر، اس کی علت اور اس کے اثرات پوری طرح واضح ہو جائیں۔

منظر پس تاریخی کا حکم

9ہجری تک جزیرۂ عرب کا بیشتر حصہ اسلام کے زیر اثر آ چکا تھا، فتحِ مکہ 8 ہجری میں ہو چکی تھی اور حنین و تبوک کے مراحل بھی طے ہو چکے تھے۔ تاہم مشرک قبائل کی ایک تعداد اب بھی موجود تھی جن سے مسلمانوں کے وقتی معاہدے تھے، اور مشرکین حسبِ سابق حج کے موسم میں مکہ آتے، بیت اللہ کا طواف کرتے اور اپنے باطل رسوم و رواج، حتیٰ کہ برہنہ طواف جیسی شرمناک رسم، بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ اب جزیرۂ عرب میں دین صرف اللہ کے لیے خالص ہوگا۔ چنانچہ سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں عہد شکن مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ وہ زمین میں چل پھر لیں، اس کے بعد ان کے لیے کوئی امان نہیں رہے گا، البتہ جن قبائل نے معاہدے کی مکمل پاسداری کی تھی ان کی مدت پوری کرنے کا حکم بھی دیا گیا۔ انہی آیات کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امارتِ حج میں حضرت علیؓ نے حج کے اجتماع میں پڑھ کر سنایا اور اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کیا گیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔ یہی اعلان مشرکین کو حدودِ حرم سے نکالنے کے حکم کی عملی صورت تھا۔

28 التوبہ :تفسیر کی آیت مرکزی

اس حکم کی مرکزی آیت یہ ہے" :يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا، وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ "یعنی اے ایمان والو !مشرکین سراپا ناپاک ہیں، پس وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں، اور اگر تمہیں محتاجی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا تو اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا؛ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے) التوبہ(28 :۔" نَجَس "کا لفظ یہاں اصل میں عقیدے اور باطن کی ناپاکی کے لیے آیا ہے، کیونکہ شرک سب سے بڑی روحانی نجاست ہے۔ مفسرین کی اکثریت کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ مشرک کا عقیدہ اور اس کا دل شرک کی گندگی سے آلودہ ہے، اس لیے ایسے شخص کو اللہ کے سب

سے مقدس گھر کے ماحول میں شریک رکھنا مناسب نہیں۔ خطاب اہلِ ایمان سے ہے تاکہ وہ جان لیں کہ اب حرم کی نگرانی اور اس کی حرمت کی حفاظت ان کی ذمہ داری ہے۔" بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا "سے مراد 9 ہجری کا سال ہے، جس کے بعد مشرکین کے لیے حرم میں داخلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔

آیت کے دوسرے حصے میں ایک ممکنہ معاشی خدشے کا جواب دیا گیا ہے۔ مکہ کے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال پیدا ہوا کہ مشرکین کے آنے سے مکہ کی تجارت اور حج کے موسم کی معاشی سرگرمی چلتی تھی؛ اگر وہ نہ آئیں تو اہلِ مکہ مفلسی کا شکار ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً "یعنی اگر تمھیں تنگدستی کا اندیشہ ہو تو یاد رکھو، اللہ اپنے فضل سے تمھیں غنی کر دے گا۔ تاریخ نے اس وعدے کی سچائی ثابت کر دکھائی :مشرک قبائل کے اسلام قبول کرنے سے تجارت کے راستے اور وسیع ہوئے اور مکہ کی معیشت پہلے سے بڑھ کر پھلی پھولی۔ آیت کے آخر میں" عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ "فرما کر بتایا گیا کہ یہ حکم اللہ کے علم اور حکمت پر مبنی ہے، اس میں بندوں کی مصلحت ہی ہے چاہے بظاہر وقتی نقصان نظر آئے۔ اس سے یہ اصول بھی ملتا ہے کہ دینی احکام کی اطاعت میں معاشی خدشات راہ نہیں روک سکتے؛ رزق کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔

تفسیر کی آیات متعلقہ

اس حکم سے متعلق ایک اہم آیت نمبر 17 ہے" :مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ "یعنی مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جب کہ وہ خود اپنے کفر کی گواہی دینے والے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مساجد کی آبادی اور ان کی تولیت کا حق صرف اہلِ توحید کو حاصل ہے، کیونکہ مسجد کا مقصد اللہ کی عبادت ہے اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ اس مقصد ہی کی نفی کرتا ہے۔ آیت 18 میں اہلِ ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی کہ اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے، نماز قائم کرے اور زکاۃ دے۔ آیت 19 میں مشرکین کے اس فخر کو بھی رد کیا گیا کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کی ظاہری خدمت کرنا ایمان و جہاد کے برابر ہے؛ اللہ کے ہاں درجے ایمان، ہجرت اور جدوجہد ہی سے ملتے ہیں۔

اسی طرح سورت کی ابتدائی آیات بھی اس حکم کا پس منظر فراہم کرتی ہیں۔ آیت 1 تا 5 میں اعلانِ براءت، چار ماہ کی مہلت، اور اس کے بعد حرمت والے مہینے گزر جانے پر مشرکین سے قتال کا حکم آیا، البتہ اسی کے ساتھ توبہ کرنے، نماز قائم

کرنے اور زکاۃ دینے والوں کے لیے راستہ کھلا رکھا گیا" :فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ) "التوبہ(5 :۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دروازہ بند عقیدے کے حاملین پر تھا، انسانوں پر نہیں؛ جو بھی توحید کی طرف آیا اس کے لیے حرم کے دروازے کھل گئے۔ آیت 6 میں تو یہاں تک رعایت دی گئی کہ اگر کوئی مشرک امان طلب کرے تو اسے امان دی جائے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ تک پہنچا دیا جائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حکم کا مقصد ظلم یا انتقام نہیں بلکہ حرم کی تقدیس اور دعوت کی حفاظت تھا۔

نتائج فقہی اور حکمتیں کی حکم

اس حکم کی پہلی حکمت بیت اللہ کی تقدیس ہے۔ کعبہ توحید کا مرکز ہے؛ اس کے ماحول میں شرک کے مناسک اور ناپاک رسموں کا جاری رہنا اس کی غرض کے منافی تھا۔ دوسری حکمت اسلامی ریاست کی نظریاتی سرحد بندی ہے :ہر نظام کو اپنے مرکز کی حفاظت کا حق ہوتا ہے۔ تیسری حکمت یہ تھی کہ اس فیصلے نے عرب قبائل پر واضح کر دیا کہ اب دورِ شرک ختم ہو چکا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور اگلے ہی سال وفود کا سال کہلایا۔ فقہی اعتبار سے جمہور فقہا کے نزدیک مشرک اور غیر مسلم کا مسجدِ حرام اور حدودِ حرم میں داخلہ ممنوع ہے، جب کہ دیگر مساجد کے بارے میں فقہا میں اختلاف ہے کہ ضرورت اور مصلحت کے تحت اجازت دی جا سکتی ہے یا نہیں۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس پابندی کا اطلاق ان مشرکین پر تھا جو حالتِ شرک پر قائم رہیں؛ مسلمان ہو جانے والے پر یہ پابندی خود بخود ختم ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں حرم کا دروازہ ہر اس شخص کے لیے کھلا رہا جو کلمۂ توحید کا اقرار کر لے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ التوبہ آیت 28 اور اس سے متعلقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو حدودِ حرم سے دور رکھنے کا قطعی حکم دیا، جس کی وجہ ان کے عقیدے کی نجاست اور بیت اللہ کی تقدیس تھی۔ اس حکم کے ساتھ معاشی خدشات کا جواب بھی دیا گیا کہ اللہ اپنے فضل سے مسلمانوں کو غنی کر دے گا، اور تاریخ نے اس وعدے کو سچا ثابت کیا۔ متعلقہ آیات نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مساجد کی تولیت و آبادی کا حق اہلِ ایمان کو ہے، تاہم اسلام نے امان طلب کرنے والے کو کلام اللہ سننے کا موقع دینے کی گنجائش برقرار رکھی، جس سے اس حکم کی دعوتی روح ظاہر ہوتی ہے۔ یہ

آیات آج بھی ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ مقدس مقامات اور دینی مراکز کی حرمت کی حفاظت اہلِ ایمان کی ذمہ داری ہے اور عقیدے کے معاملے میں مداہنت کی کوئی گنجائش نہیں۔

قرآنی میں بارے کے والوں باندھنے بہتان پر تعالیٰ اللہ میں روشنی کی ہود سورۃ :3 نمبر سوال (نمبر 20) حکم

سوال نمبر3 ۔ سورۃ ہود کی روشنی میں اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والوں سے متعلق قرآن نے کیا حکم دیا ہے؟(20)

تعارف

اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا، یعنی جھوٹی بات کو اللہ کی طرف منسوب کرنا، قرآن مجید کی نگاہ میں سب سے بڑا ظلم اور سب سے سنگین جرم ہے۔ قرآن کئی مقامات پر یہ سوال اٹھاتا ہے: ”وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا “یعنی اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ یہی موضوع سورۃ ہود میں خاص تفصیل کے ساتھ آیا ہے، کیونکہ یہ سورت بنیادی طور پر انبیا اور ان کی قوموں کے قصص پر مشتمل ہے جن میں ہر قوم کے جھٹلانے والوں نے اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں، اپنے بتوں اور رواجوں کو دین کا نام دیا اور انبیا پر بہتان تراشی کی۔ اس جواب میں سورۃ ہود کی آیات 18 تا 22 کی روشنی میں یہ بیان کیا جائے گا کہ قرآن نے اللہ پر بہتان باندھنے والوں کے بارے میں کیا حکم دیا ہے :ان کا دنیا کا انجام، آخرت میں ان کی پیشی، ان پر اللہ کی لعنت، ان کے لیے دوگنا عذاب اور ان کا ہمیشہ کا خسارہ۔ نیز یہ بھی واضح کیا جائے گا کہ افترا علی اللہ کی صورتیں کون کون سی ہیں اور اس جرم سے بچنے کی عملی راہ کیا ہے۔

صورتیں کی اس اور مفہوم کا اللہ علی افترا

افترا کے معنی ہیں کسی بات کو گھڑ کر کسی کی طرف منسوب کرنا۔ اللہ پر افترا کی کئی صورتیں قرآن نے بیان کی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ انسان اپنی خواہش یا رواج کو اللہ کا حکم قرار دے دے، حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرائے۔ دوسری صورت اللہ کے لیے اولاد، شریک یا بیوی تجویز کرنا ہے، جیسا کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص جھوٹی وحی یا جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرے۔ چوتھی صورت کتاب اللہ کی آیات کو

چھپانا یا ان کی غلط تاویل کر کے باطل نظریات کو دین ثابت کرنا ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ انبیا پر الزام تراشی کر کے ان کی لائی ہوئی شریعت کو جھٹلایا جائے اور کہا جائے کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں۔ سورۃ ہود کے سیاق میں یہی آخری صورت خاص طور پر نمایاں ہے، کیونکہ قومِ نوح، عاد، ثمود اور دیگر اقوام اپنے انبیا سے یہی کہتی رہیں کہ تم نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، حالانکہ حقیقت میں بہتان باندھنے والے وہ خود تھے جو اللہ کی طرف بت پرستی اور باپ دادا کے رسم و رواج کو منسوب کرتے تھے۔ قرآن کا سبق یہ ہے کہ اللہ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے سے پہلے قطعی علم ہونا چاہیے؛ جس بات کا علم نہیں اسے اللہ کا حکم کہنا خود افترا ہے۔

تشریح کی 22 تا 18 آیات کی ہود سورۃ

سورۃ ہود میں ارشاد ہوتا ہے" :وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا، اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ، اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيْنَ "یعنی اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا؛ خبردار !ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) ہود(18 :۔ اس آیت میں تین باتیں خاص ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا گیا، کیونکہ اس کا جرم صرف ایک فرد کے خلاف نہیں بلکہ خالق کے حق اور پوری انسانیت کی ہدایت کے خلاف ہے؛ وہ لوگوں کو اللہ کے نام پر گمراہ کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے حضور پیش ہوں گے اور" اَشْهَاد "یعنی گواہان — انبیا، فرشتے اور نیک لوگ — ان کے خلاف گواہی دیں گے، جس کے بعد انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔ تیسری یہ کہ ان کے لیے اعلانِ لعنت ہوگا، یعنی وہ اللہ کی رحمت سے دائمی طور پر دور کر دیے جائیں گے۔

آگے آیات میں ان کی مزید صفات بیان ہوئی ہیں" :الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ " یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، اس میں ٹیڑھ تلاش کرتے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں) ہود(19 :۔ معلوم ہوا کہ افترا علی اللہ کرنے والا صرف خود گمراہ نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو بھی ہدایت سے روکتا ہے اور دین میں اپنی خواہش کے مطابق کجی پیدا کرتا ہے۔ پھر فرمایا" :اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ، يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ "یعنی یہ لوگ زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اور اللہ کے سوا ان کا کوئی سرپرست نہیں

ہوگا؛ ان کے لیے عذاب دوگنا کیا جائے گا) ہود(20 :۔ عذاب کے دوگنے ہونے کی وجہ مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے دو جرم کیے :خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔ اس کے بعد آیت 21 اور 22 میں ان کا حتمی انجام بیان ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، ان کے گھڑے ہوئے معبود ان سے گم ہو گئے اور بلاشبہ آخرت میں یہی لوگ سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔

احکام متعلقہ اور مقامات دیگر کے سورت

سورۃ ہود ہی میں ایک اور مقام پر کفار کے اس الزام کا ذکر ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے کہتے تھے" :اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ "یعنی کیا یہ کہتے ہیں کہ اس) قرآن (کو اس نے خود گھڑ لیا ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا" :قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ "یعنی کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اسے گھڑا ہے تو میرا جرم میرے ذمے ہے اور میں تمہارے جرائم سے بری ہوں) ہود(35 :۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر افترا اتنا عظیم جرم ہے کہ نبی ﷺ نے فرضی طور پر بھی اس کی ذمہ داری کو جرم قرار دے کر خود کو قوم کے جرائم سے بری الذمہ قرار دیا۔ سورت کے قصص میں یہی قانون بار بار ظاہر ہوتا ہے :قومِ نوح نے نو سو برس کی دعوت کو جھٹلایا تو طوفان آیا، عاد نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا تو سخت آندھی سے ہلاک ہوئے، ثمود نے صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تو چنگھاڑ نے انہیں پکڑ لیا۔ ان سب واقعات میں مشترک بات یہ تھی کہ ان قوموں نے اپنے شرک اور باطل رسموں کو اللہ کی مرضی قرار دیا تھا، یعنی وہ افترا علی اللہ کے مجرم تھے، اور دنیا میں بھی انہیں رسوائی اور عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔

قرآن کے مجموعی مطالعے سے اس بارے میں چند احکام اخذ ہوتے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ کی طرف کوئی بات بلا دلیل اور بلا علم منسوب کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ دوسرا یہ کہ دین میں حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ اور اس کے رسول کو ہے؛ کوئی عالم، پیر یا رہنما اپنی رائے کو اللہ کا قطعی حکم قرار نہیں دے سکتا۔ تیسرا یہ کہ جو شخص اللہ کی آیات کو جھٹلائے یا ان میں تحریف کرے وہ ظالموں میں شمار ہوگا اور قیامت کے دن اس کے خلاف گواہ کھڑے ہوں گے۔ چوتھا یہ کہ افترا کرنے والے کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں دوگنا عذاب اور دائمی لعنت ہے، البتہ توبہ کا دروازہ زندگی تک کھلا ہے۔ پانچواں حکم یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو یہ ذمہ داری دی گئی ہے کہ وہ دین کی بات پوری احتیاط، سند

اور دلیل کے ساتھ پیش کریں، ضعیف اور موضوع روایات کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے بھی بچیں، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

اطلاق کا حکم اس میں دور کے آج

موجودہ دور میں افترا علی اللہ کی صورتیں نئی شکل میں سامنے آتی ہیں۔ سوشل میڈیا پر بلا تحقیق مذہبی باتیں پھیلانا، قرآن و حدیث کے نام پر من گھڑت قصے اور فضائل بیان کرنا، اپنے فرقے یا مسلک کی رائے کو ہی عین دین قرار دے کر دوسروں کو گمراہ کہنا، اور خوابوں و کشف کے نام پر شریعت کے احکام بدلنا اسی جرم کے زمرے میں آتا ہے۔ سورۃ ہود کی ان آیات کی روشنی میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب ہر بات کی تحقیق کرے، بولنے سے پہلے سوچے کہ یہ بات واقعی اللہ نے فرمائی ہے یا انسانوں کی گھڑی ہوئی ہے، اور جب علم نہ ہو تو "اللہ اعلم" کہنے سے نہ شرمائے۔ علمائے حق کی ذمہ داری اس معاملے میں سب سے زیادہ ہے کہ وہ عوام کو صحیح دین پہنچائیں اور افترا و بہتان کی ہر صورت کی نشاندہی کریں۔ اسی طرح طالب علم کو چاہیے کہ وہ دین کا علم مستند کتب اور اہلِ علم سے حاصل کرے تاکہ وہ خود بھی اس سنگین جرم سے محفوظ رہے اور دوسروں کو بھی محفوظ رکھ سکے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ ہود کی آیات 18 تا 22 کی روشنی میں اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والا سب سے بڑا ظالم ہے۔ قرآن نے اس کے بارے میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا، گواہ اس کے خلاف گواہی دیں گے، اس پر اللہ کی لعنت ہوگی، اس کے لیے دوگنا عذاب ہوگا کیونکہ اس نے خود گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے روکا تھا، اور وہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں رہے گا؛ اس کے جھوٹے معبود اور سہارے اس دن اس کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ دنیا میں بھی ایسی اقوام پر عذاب و ذلت کی مثالیں سورۃ ہود کے قصص میں موجود ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں انتہائی احتیاط کرے، دین کو قرآن و سنت کی دلیل سے لے اور افترا علی اللہ کی ہر صورت سے بچے، کیونکہ یہ جرم دنیاوی رسوائی اور اخروی خسارے دونوں کا سبب ہے۔

(نمبر 20) تفصیل کی آدم قصۂ کردہ بیان میں الحجر سورۃ :4 نمبر سوال

سوال نمبر4 ۔ سورۃ الحجر میں بیان کردہ قصہ آدم کو تفصیلاً بیان کیجئے۔(20)

تعارف

قصۂ آدم علیہ السلام قرآن مجید میں متعدد سورتوں میں بیان ہوا ہے اور ہر سورت میں اس کا کوئی خاص پہلو نمایاں ہے۔ سورۃ الحجر میں یہ قصہ آیات نمبر 26 تا 44 میں بیان ہوا ہے اور یہاں اس کا مرکزی نکتہ انسان کی تخلیق، ابلیس کی سرکشی کی نفسیات اور قیامت تک جاری رہنے والی حق و باطل کی کشمکش کی بنیاد ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انسان اور جن کی تخلیق کے مادے بیان فرمائے، پھر فرشتوں کو سجدے کا حکم، ابلیس کا انکار اور اس کا لعنت زدہ ہونا، اس کی مہلت طلبی، اس کی دھمکی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلص بندوں کی حفاظت کا اعلان تفصیل سے ذکر ہوا۔ یہ قصہ محض تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ہر انسان کے لیے عبرت کا سرچشمہ ہے کیونکہ ہر دور میں ابلیس اپنا وہی پرانا کردار دہراتا ہے اور ہر انسان کو آدم و ابلیس کی اسی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس جواب میں سورۃ الحجر کی متعلقہ آیات کی ترتیب کے مطابق پورا قصہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا اور آخر میں اس سے حاصل ہونے والے اسباق کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

تخلیق کی جن اور انسان

قصے کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اس اعلان سے ہوتا ہے" :وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ، وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ "یعنی اور بے شک ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی، بدلی ہوئی سیاہ مٹی سے پیدا کیا، اور جن کو اس سے پہلے لو کی طرح لپک مارنے والی آگ سے پیدا کیا) الحجر(27-26 :۔" صلصال "اس خشک مٹی کو کہتے ہیں جو بجنے کی آواز دے اور" حما مسنون "سے مراد وہ سیاہ مٹی ہے جس میں مدت پڑے رہنے سے تبدیلی اور بو پیدا ہو جائے۔ ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کی مادی حیثیت واضح کر دی کہ اس کی اصل مٹی ہے، جو بے جان اور بے وقعت چیز ہے؛ انسان کو جو شرف ملا ہے وہ اس روح کی بدولت ہے جو اللہ نے اس میں پھونکی۔ دوسری طرف جن کی تخلیق آگ سے بتائی گئی تاکہ ابلیس کے اس گھمنڈ کی جڑ کٹ جائے جو اس نے مادے کی برتری پر قائم کیا تھا۔ آگ اور مٹی دونوں اللہ کی

مخلوق ہیں؛ فضیلت مادے سے نہیں، اطاعت سے ملتی ہے۔ یہ اعلان دراصل آنے والے واقعے کی تمہید ہے کہ جس مخلوق کو کل سجدہ کرایا جانے والا ہے وہ مٹی سے بنی ہے، اور جو انکار کرنے والا ہے وہ آگ کی مخلوق ہونے پر نازاں ہے۔

انکار کا ابلیس اور حکم کا سجدے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا" :اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ، فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ "یعنی میں ایک بشر کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں، پس جب میں اسے پورا بنا لوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا) الحجر(29-28 :۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہوئی اور روح پھونکی گئی تو" فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ "یعنی تمام فرشتوں نے، سب نے یکسر سجدہ کیا) الحجر(30 :۔ فرشتوں کی یہ اطاعت ان کی کامل فرمانبرداری کو ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے مٹی کی مخلوق کو سجدہ کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا، کیونکہ حکم اللہ کا تھا۔ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ "یعنی مگر ابلیس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا) الحجر(31 :۔ ابلیس، جس کا مقام فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے خطاب میں شامل تھا؛ اس کا انکار پہلا کبیرہ گناہ اور پہلی بغاوت تھی جس کی بنیاد تکبر پر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا" :یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ "یعنی اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا؟) الحجر(32 :۔ ابلیس نے جواب دیا" :لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ " یعنی میں ایسا نہیں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کھنکھناتی سیاہ مٹی سے پیدا کیا ہے) الحجر(33 :۔ یہ جواب اپنے اندر تین خرابیاں سموئے ہوئے تھا :ایک تو حکمِ الٰہی کے مقابلے میں اپنی رائے اور قیاس کو پیش کرنا، دوسرے مخلوق کی ظاہری اصل کو اس کی فضیلت کا معیار بنانا، اور تیسرے یہ کہ خطا تسلیم کرنے اور توبہ کرنے کے بجائے اس پر اصرار کرنا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی لغزش ہوئی تھی مگر انہوں نے فوراً توبہ کی اور اللہ نے معاف کر دیا، جب کہ ابلیس نے ضد اور تکبر کا راستہ اختیار کیا اور ہمیشہ کے لیے مردود ہو گیا۔ یہی فرق دو گروہوں کی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے :ایک طرف توبہ کرنے والا انسان اور دوسری طرف تکبر کرنے والا شیطان۔

دھمکی کی ابلیس اور مہلت لعنت،

ابلیس کے انکار اور اصرار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ، وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ "یعنی پس یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے، اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت ہے) الحجر(35-34 :۔" رجیم "کے معنی ہیں دھتکارا ہوا، رحمت سے دور کیا ہوا۔ ابلیس کو آسمانی مجلس اور بلند مرتبے سے نکال دیا گیا۔ اس موقع پر ابلیس نے مہلت کی درخواست کی" :رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ "یعنی اے میرے رب !مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے) الحجر(36 :۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک معلوم وقت تک مہلت عطا فرما دی) الحجر(38-37 :۔ اس مہلت میں بھی حکمتِ الٰہی کارفرما تھی کہ انسان کی آزمائش کا نظام قائم ہو، نیکی بدی کے مقابلے میں ابھرے اور انسان اپنے اختیار سے جس راستے کو چاہے منتخب کرے۔ مہلت پانے کے بعد ابلیس نے اپنی دشمنی کا اصل چہرہ دکھایا اور کہا" :رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ، اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ "یعنی اے میرے رب !جیسا کہ تو نے مجھے گمراہ کیا، میں بھی زمین میں ان کے لیے) برائیوں کو (مزین کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا، سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہوں گے) الحجر(40-39 :۔ غور کیجیے کہ ابلیس نے اپنی گمراہی کی نسبت بھی اللہ کی طرف کر کے ایک اور بے ادبی کی، اور پھر اپنی حکمتِ عملی بیان کی کہ وہ گناہ کو براہِ راست نہیں پیش کرے گا بلکہ اسے سجا سنوار کر، مزین کر کے پیش کرے گا۔ یہ آج بھی شیطان کا آزمودہ حربہ ہے کہ حرام کو خوش نما ناموں اور دلکش پیکنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔

دروازے سات کے جہنم اور جواب کا تعالیٰ اللہ

ابلیس کی دھمکی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ، اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ "یعنی یہ راستہ سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے؛ بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، سوائے ان گمراہوں کے جو خود تیری پیروی کریں) الحجر(42-41 :۔ اس اعلان میں اہلِ ایمان کے لیے عظیم تسلی ہے کہ شیطان کسی کو زبردستی گمراہ نہیں کر سکتا؛ وہ صرف وسوسہ ڈال سکتا ہے، اختیار انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ جو اللہ سے جڑ جائے، اس کی عبادت اور اخلاص اختیار کر لے، وہ شیطان کے دھکے سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا" :وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ، لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ، لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ "یعنی اور بے شک جہنم ان سب کے وعدے کی جگہ ہے؛ اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ تقسیم کیا ہوا ہے) الحجر(44-43 :۔ ابلیس کے

پیروکار درجے بجے گناہوں کے مطابق جہنم کے مختلف طبقات میں جائیں گے۔ قصے کا یہ اختتام انسان کو فیصلے کی صاف تصویر دکھاتا ہے :ایک طرف اخلاص والوں کی حفاظت اور دوسری طرف گمراہوں کا انجام؛ انتخاب انسان کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔

اسباق والے ہونے حاصل سے قصے

اس قصے سے کئی اسباق ملتے ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ تکبر سب سے بڑا گناہ اور ہر برائی کی جڑ ہے؛ ابلیس کا علم اور عبادت اس کے کام نہ آئی جب دل میں کبر آ گیا۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ نافرمانی پر اصرار کے بجائے توبہ انسان کو بچا لیتی ہے، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا طر یقہ تھا۔ تیسرا سبق یہ ہے کہ فضیلت کا معیار نسل، قوم، رنگ یا مادہ نہیں بلکہ اطاعت و تقویٰ ہے۔ چوتھا سبق دشمن کی شناخت ہے :شیطان نے خود اپنی حکمتِ عملی بتا دی ہے کہ وہ برائی کو مزین کر کے پیش کرے گا، اس لیے ہر دلکش دعوت کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر رکھنا لازم ہے۔ پانچواں سبق اخلاص کی قدر ہے، کیونکہ شیطان نے خود تسلیم کیا ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں پر اس کا تسلط نہیں چلتا۔ چھٹا سبق یہ ہے کہ مہلت کو غنیمت جاننا چاہیے؛ ابلیس نے مہلت شر میں استعمال کی، انسان کو مہلت خیر اور توبہ میں استعمال کرنی چاہیے۔ آخری سبق یہ ہے کہ انسان کی اصل کرامت مٹی کی پستی نہیں بلکہ روحِ الٰہی سے نسبت اور سجدۂ بندگی ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ الحجر آیات 26 تا 44 میں قصۂ آدم اس ترتیب سے بیان ہوا ہے :اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے اور جن کو آگ سے پیدا فرمایا، پھر فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا؛ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے تکبر کی وجہ سے انکار کیا، اپنی خطا پر اصرار کیا جس کے نتیجے میں وہ مردود و ملعون قرار پایا، اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی اور اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی دھمکی دی، مگر اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ میرے مخلص بندوں پر اس کا کوئی اختیار نہیں اور اس کے پیروکاروں کا ٹھکانا سات دروازوں والی جہنم ہے۔ یہ قصہ ہر دور کے انسان کو اس کے اصل دشمن، اس کے حربوں اور اس سے بچاؤ کی راہ، یعنی اخلاص و اطاعت، سے آگاہ کرتا ہے، اور یہی اس قصے کو بیان کرنے کا قرآنی مقصد ہے۔

20) حکمتیں و تعلیمات والی ہونے حاصل سے السلام علیہ موسیٰ حضرت قصۂ :5 نمبر سوال (نمبر

سوال نمبر5 ۔ قصہ حضرت موسیٰ سے حاصل ہونے والی تعلیمات و حکمتوں کو تحریر کیجئے۔(20)

تعارف

قرآن مجید میں سب سے زیادہ تفصیل سے جس نبی کا ذکر آیا ہے وہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہیں۔ آپ کا نام قرآن میں ایک سو چھتیس کے لگ بھگ مقامات پر آیا اور آپ کے واقعات قصص، طٰہٰ، شعراء، نمل، اعراف، یونس، ہود سمیت متعدد سورتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سورۃ ہود میں بھی آپ کا ذکر آیت نمبر 96 تا 99 میں آیا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، مگر انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راہِ راست پر نہ تھا؛ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں آگ میں لے جا کر اتارے گا۔ آپ کی زندگی کے نمایاں مراحل یہ ہیں :فرعون کے گھر میں پرورش، جوانی میں مصر سے مدین ہجرت، طور پر اللہ سے ہم کلامی اور نبوت، فرعون سے مقابلہ اور معجزات، بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کی غرقابی، طور پر تورات کا ملنا، بچھڑے کی پرستش کا فتنہ، وادیِ تیہ کی سیر اور بالآخر ایک عظیم قوم کی تشکیل۔ اس جواب میں ان واقعات سے حاصل ہونے والی بڑی تعلیمات اور حکمتیں منظم انداز میں بیان کی جائیں گی تاکہ طالب علم ان سے اپنی عملی زندگی کے لیے رہنمائی لے سکے۔

تعلیمات کی دعا اور قدرت کی اللہ توحید،

قصۂ موسیٰ کی پہلی اور بنیادی تعلیم توحید ہے۔ آپ کو نبوت اس اعلان کے ساتھ ملی" :اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ "یعنی بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو) طٰہٰ(14 :۔ یعنی ہر نبوی دعوت کی بنیاد اللہ کی وحدانیت، عبادت اور نماز ہے۔ دوسری تعلیم اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر یقین ہے۔ بحیرۂ احمر کے کنارے جب فرعون کا لشکر سر پر پہنچا اور قوم چلائی کہ ہم پکڑے گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا" :كَلَّا، اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ "یعنی ہرگز نہیں، بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا) الشعراء(62 :۔ پھر سمندر پھٹا اور خشک راستہ بن گیا۔ اس سے یہ حکمت ملتی ہے کہ

ظاہری اسباب ختم ہو جانے کے بعد بھی مومن کو اللہ کی مدد سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تیسری تعلیم دعا کی اہمیت ہے۔ نبوت ملتے وقت آپ نے دعا کی" :رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ، وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ، یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ) "طٰهٰ : (25-28۔ یہ دعا ہر اہم ذمہ داری اٹھانے والے کے لیے نمونہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ سے شرحِ صدر، آسانی اور فصاحت طلب کرے۔ اسی طرح دعوت کے لیے رفیق مانگنا، یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو شریکِ کار بنانا، اجتماعی کام کی حکمت سکھاتا ہے کہ نیک مقاصد میں اہل لوگوں کو ساتھ ملانا سنتِ انبیا ہے۔

حکمتیں کی دعوت :مقابلہ سے فرعون

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کی طرف بھیجا گیا تو اللہ نے فرمایا" :فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی" یعنی اس سے نرم بات کہنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈرے) طٰہٰ(44۔ یہ دعوت کی سب سے بڑی حکمت ہے کہ سخت ترین مخالف سے بھی گفتگو نرمی اور شائستگی سے ہو، کیونکہ مقصد ہدایت ہے، غلبے کا اظہار نہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ آپ نے فرعون سے صرف عقیدے کی اصلاح کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ بھی کیا؛ اس سے معلوم ہوا کہ نبوی دعوت ظلم کے خلاف اور مظلوم کی حمایت کے لیے بھی ہوتی ہے، دین اور انسانی حقوق ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ تیسری حکمت استقامت ہے :فرعون نے جادوگروں کا مقابلہ کرایا، دھمکیاں دیں، لشکر کشی کی، مگر موسیٰ علیہ السلام اپنے موقف سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ حق کے دلائل واضح ہوں تو مقابلہ کرنے والے خود شکست کھاتے ہیں؛ جادوگر معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے اور فرعون کی صلیب کی دھمکی کے جواب میں کہا کہ تو جو فیصلہ کرنا ہے کر لے، تو صرف اس دنیاوی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس واقعے سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ ایمان جب دل میں اتر جائے تو دنیاوی خطرات اس کے سامنے ہیچ ہو جاتے ہیں۔

اس مقابلے کا آخری مرحلہ صبر و توکل کا عظیم مظاہرہ تھا۔ غرقابی سے پہلے رات کو قوم کو لے کر نکلنا، سمندر کو عصا مارنے سے راستہ بننا اور فرعون کا اپنے لشکر سمیت ڈوب جانا یہ سکھاتا ہے کہ ظالم کی طاقت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، اللہ کے فیصلے کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں اور آخری فتح ہمیشہ اہلِ حق کی ہوتی ہے۔ سورۃ ہود نے اسی انجام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فرعون اس دنیا میں بھی ملعون ہوا اور قیامت کو بھی اپنے پیروکاروں کو آگ کی طرف لے

جانے والا پیشوا ہوگا؛ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ بری قیادت اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرت دونوں میں برباد کرتی ہے، اس لیے قیادت کے انتخاب میں احتیاط دینی فریضہ ہے۔

تعلیمات ملی سے رویے کے اسرائیل بنی

بنی اسرائیل کا کردار اس قصے کا عبرتناک پہلو ہے۔ انہوں نے معجزات دیکھے، سمندر کی نجات پائی، من و سلویٰ کھایا، بادلوں کا سایہ پایا، مگر بار بار ناشکری، شکوے اور سرکشی کا مظاہرہ کیا :کبھی کھانے میں تبدیلی کا مطالبہ، کبھی "اِذْہَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا "کہہ کر جہاد سے انکار، کبھی بچھڑا بنا کر اس کی پوجا۔ اس سے پہلی تعلیم یہ ملتی ہے کہ نعمتوں کی فراوانی خود بخود شکر پیدا نہیں کرتی، تربیت اور تقویٰ کے بغیر انسان بڑے بڑے احسانات کے بعد بھی ناشکرا رہ سکتا ہے۔ دوسری تعلیم یہ ہے کہ غلامی کی ذہنیت خطرناک بیماری ہے؛ آزادی کے بعد بھی بنی اسرائیل فرعون کے دور کی رسومات اور بت پرستی کی طرف مائل رہے، اس لیے ذہنی آزادی جسمانی آزادی سے زیادہ ضروری ہے۔ تیسری تعلیم قیادت کے صبر کی ہے :موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی مسلسل نافرمانیوں کے باوجود انہیں چھوڑا نہیں، ان کے لیے دعائیں کیں اور آخر عمر تک انہیں منزل کی طرف بڑھاتے رہے۔ چوتھی تعلیم یہ ہے کہ قوموں کی زندگی میں تربیت ایک نسل کا کام ہوتا ہے؛ وادیِ تیہ میں چالیس برس کی بھٹک نے دراصل ایک نئی نسل تیار کی جو جہاد کے قابل تھی۔ اس سے مصلح اور استاد کے لیے یہ حکمت نکلتی ہے کہ اصلاحی کام میں جلدی نتائج کا مطالبہ مایوسی پیدا کرتا ہے، استقامت کے ساتھ طویل المیعاد تربیت ہی اصل راستہ ہے۔

حکمتیں سے واقعے کے السلام علیہ خضر حضرت

سورۃ الکہف میں بیان کردہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ علم اور حکمت کی دنیا کی عظیم درس گاہ ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے تو آپ نے اپنی طرف اشارہ کیا، جس پر اللہ نے وحی فرمائی کہ اس سے زیادہ علم رکھنے والا میرا ایک بندہ بھی موجود ہے۔ اس سے پہلی تعلیم ملتی ہے کہ بڑے سے بڑا عالم بھی اپنے علم پر مغرور نہ ہو اور یہ نہ سمجھے کہ علم اسی پر ختم ہو گیا ہے۔ دوسری تعلیم علم کے حصول میں مشقت اور تواضع ہے :موسیٰ علیہ السلام، اللہ کے جلیل القدر نبی اور صاحبِ شریعت ہونے کے باوجود، علم سیکھنے کے لیے طویل سفر پر نکلے، خادم کو ساتھ لیا اور خضر علیہ السلام سے شاگردی کی درخواست ان الفاظ میں کی کہ کیا میں

آپ کے پیچھے چلوں کہ آپ مجھے اس علم میں سے کچھ سکھا دیں جو آپ کو عطا ہوا ہے۔ اس سے استاد کے ادب اور سیکھنے کے شوق کا بے مثال نمونہ ملتا ہے۔ تیسری تعلیم صبر کی ہے :خضر علیہ السلام نے شرط رکھی کہ سوال نہ کرو گے، مگر تین واقعات پر موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ نبھایا نہ جا سکا؛ اس سے معلوم ہوا کہ بعض علم لدنی اور تقدیری نوعیت کے ہوتے ہیں جن کی حکمتیں ظاہری صورت دیکھ کر سمجھ میں نہیں آتیں۔ چوتھی اور سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ ہر ظاہری تکلیف دہ واقعے کے پیچھے اللہ کی کوئی رحمت چھپی ہو سکتی ہے :کشتی میں سوراخ اسے ظالم بادشاہ سے بچانے کے لیے تھا، بچے کا واقعہ اس کے والدین کی حفاظت سے متعلق تھا اور دیوار یتیموں کے خزانے کی حفاظت کے لیے بنائی گئی۔ اس سے مومن کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ زندگی کے تلخ واقعات پر جزع فزع کے بجائے اللہ کی حکمت پر بھروسا رکھے اور جانے کہ" وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ قصۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام تعلیمات و حکمتوں کا خزانہ ہے :توحید و نماز کی بنیاد، دعا اور شرحِ صدر کی طلب، اللہ کی قدرت پر کامل توکل، دعوت میں نرمی و استقامت، ظلم کے خلاف اور مظلوم کی حمایت میں کھڑا ہونا، ظالم کے یقینی انجام سے عبرت، قیادت کے صبر اور طویل المیعاد تربیت کی حکمت، ناشکری اور ذہنی غلامی سے بچاؤ، اور علم کے حصول میں تواضع، سفر اور صبر کے ساتھ اللہ کی پوشیدہ حکمتوں پر ایمان۔ سورۃ ہود نے اس قصے کا اختتام اس نکتے پر کیا کہ فرعون جیسی قیادت اپنے ماننے والوں کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے، جب کہ موسیٰ علیہ السلام جیسی قیادت اپنی قوم کو ظلم کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی آزادی تک پہنچاتی ہے۔ جو طالب علم ان تعلیمات کو اپنا لے اس کے لیے یہ قصہ محض تاریخ نہیں بلکہ پوری زندگی کی رہنما کتاب بن جاتا ہے۔